دینی مدارس کا نصابِ تعلیم

تنقیدی جائزہ اور بہتری کے لیے تجاویز

مولانا محمد حنیف جالندھری (ناظم اعلیٰ وفاق المدارس العربیہ پاکستان)

الحمدللّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

مدارس دینیہ کی خدمات: برصغیر میں اسلامی علوم وروایات کے تحفظ اور معاشرہ میں دینی حمیّت کو زندہ رکھنے کے لیے مدارس دینیہ نے جو کردار ادا کیا ہے اس کا اعتراف نہ کرنا بے انصافی ہے۔ دینی مدارس نے علم کی روشنی پھیلانے، جہالت کی تاریکی دور کرنے، ملک میں ناخواندگی کم کرنے، شرح خواندگی بڑھانے، اسلامی تعلیمات، معلومات اور روایات کو اُجاگر کرنے کی اہم ذمہ داری کو باحسنِ وجوہ پورا کیا۔ قوم کو عالم دین، فقیہ، مفتی، قاضی، محدث، مفسر، حافظ، مفکر، مبلغ، مصنف اور مُصلح دیئے۔ نادار اور بے سہارا بچوں اور بچیوں کی تعلیم وتربیت کی ذمہ داری قبول کر کے نہ صرف ان کی کفالت کی بلکہ ان کو زیور تعلیم سے آراستہ وفیض یاب کیا۔

مدارسِ دینیہ کی ضرورت واہمیت: اس وقت دینی مدارس کا وجود مسلمانوں کے لیے بہت بڑی نعمت ہے۔ دنیا میں اسلام کی بقاء اور اشاعت کا اہم ترین کام انہی مدارس سے وابستہ ہے۔ یہ مدارس اسلام اور علومِ دینیہ کے ایسے قلعے ہیں جن کی وجہ سے آج تک دین محفوظ چلا آ رہا ہے۔ دینی تعلیم کی اہمیت وضرورت اس لحاظ سے بھی ہے کہ جب بھی انسان، علمِ دین اور حکمت کی دولت سے تہی دامن ہوا تو مذموم خصائل کا حامل بنا اور حق تعالیٰ شانہٗ اور مخلوق کے حقوق سے بے خبر و بے فکر ہو کر حرص، لالچ، طمع، قتل وقتال، باہمی عداوت اور ظلم وستم جیسے جذبات فاسدہ کا شکار رہا۔ یہ مدارس انسانیت کو اخلاقی پستی سے نکال کر عمدہ اخلاق سے آراستہ کرنے، دنیا میں امن وامان، ایثار وقربانی اور نجات اُخروی کا بہت بڑا ذریعہ ہیں۔

مدارس کی تاریخ: ان مدارس کی نسبت نبی اکرم ﷺ کے قائم کردہ اس پہلے دینی مدرسہ کے ساتھ ہے جو ایک چبوترے پر قائم کیا گیا تھا، جس کو ''صفہ'' کہا جاتا تھا، اس میں پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم میں بیان فرمودہ ''فرائض نبوۃ'' کی تعلیم وتکمیل فرماتے تھے۔ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قرآن وسنت کی تعلیم دینے کے علاوہ اُن کا تزکیہ نفوس فرماتے تھے۔ اس مدرسہ میں حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت انسؓ، حضرت سلمان فارسیؓ، حضرت صہیب رومیؓ

جیسے ستر طالب علم تھے جو''اصحابِ صفہ'' کے نام سے مشہور ہیں۔اس مدرسۂ نبویؐ میں عوام وخواص،عرب وغیر عرب، آزاد اور غلام،کسی امتیاز کے بغیر حصولِ علم میں مصروف رہتے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو یہ آیات سناتے: قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون (سورة زمر : ۹)(کیا علم جاننے والے اور جاہل بھی یکساں ہوسکتے ہیں)یرفع الله الذين امنوا منكم والذين اوتو العلم درجت (المجادلہ:۱۱)(تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن،حدیث اور فقہ کے ساتھ حسب ضرورت ریاضی،طب،علم انساب،دفاعی تعلیم اور دوسری زبانیں سیکھنے کا بھی حکم دیا۔آپؐ کے حکم کی تعمیل میں حضرت زید بن ثابت انصاریؓ نے فارسی،سریانی اور حبشی زبانیں سیکھیں۔یہ دنیوی تعلیم کا حصہ ہے۔آپؐ نے ورزش،تیراکی اور تیراندازی سیکھنے کا حکم دیا۔یہ جسمانی اور دفاعی تعلیم ہے۔(دینی مدارس کی روایات:ص۱۴)

مدارس اپنی ابتدائی شکل میں: باقاعدہ مدارس کی ابتداء سے پہلے مساجد،علوم کی درس گاہ کی حیثیت رکھتی تھیں، جن میں اُستاذ،معلّم،محدث اور مفسر کے گرد طلباء کے حلقے قائم ہوتے تھے۔سلطنت عباسیہ (۷۵۰-۹۴۵ء) میں یہ مدرسے مساجد ہی میں کام کرتے تھے۔پھر جب بحث ومباحثہ اور سوال وجواب کا سلسلہ بڑھا تو مساجد میں عبادت گزاروں نے خلل محسوس کیا تو مساجد کے ساتھ عمارات تعمیر کر کے باقاعدہ مدارس کھولے گئے۔مسلم دور حکومت میں جو نظامِ تعلیم اُبھرا وہ اپنے زمانے کا جدید ترین نظام تعلیم تھا۔خاص طور پر مسلم اسپین کی عظیم درس گاہیں دینی ودنیوی تعلیم کا حسین امتزاج تھیں۔مسلم سلطنت میں ایک طاقت ور سلجوقی وزیر خواجہ نظام الملک طوسی (م۱۰۹۲ء) نے ریاستی معاونت کے ذریعے تعلیم کو وسعت اور مضبوطی عطا کرنے کے لیے ٹھوس اقدامات کیے۔اُنھوں نے ۱۰۶۵ء میں مدرسہ نظامیہ بغداد میں قائم کیا اور امام غزالیؒ کو اس مدرسہ کا صدر مدرّس مقرر کیا۔ان درس گاہوں سے علومِ دینیہ کے حامل یکتائے روزگار افراد کے علاوہ نامور مسلمان سائنس دان پیدا ہوئے۔اہلِ مغرب نے دانستہ طور پر سائنس کی تاریخ سے مسلمان سائنس دانوں کے نام تبدیل کر دیے۔اس طرح دنیا کو یہ باور کرایا گیا کہ سائنس کی ترقی اور فروغ میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں(۱)۔

جنوبی ایشیا میں مدارس کا آغاز: جنوبی ایشیا میں مسلمانوں کے باقاعدہ تعلیمی نظام اور مدارس کی ابتداء قطب الدین ایبک (م۱۲۱۰ء) کے عہد میں ہوئی۔اس دور میں سینکڑوں مساجد تعلیم وتدریس کا مرکز تھیں،جن میں دینی علوم کے علاوہ دنیوی علوم کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔مساجد کے علاوہ امراء کی حویلیوں،چوپالوں اور خانقاہوں میں بھی درس وتدریس کا سلسلہ جاری تھا۔سلطان ایبک کی طرف سے علماء کی سرپرستی ضرب المثل تھی۔پھر سلطان شمس الدین

التمش (م ۱۲۳۶ء) نے کئی مدارس قائم کیے۔ وہ اہلِ علم کا زبردست قدردان تھا۔ فیروز شاہ تغلق (۱۳۸۸ء) نے تیس اعلیٰ تعلیمی ادارے قائم کیے اور پہلے سے قائم مدارس کی مرمت اور روزمرہ اخراجات کے لیے فنڈز مختص کیے۔ خلجی سلاطین کا زمانہ حکومت (۱۴۳۶ء تا ۱۵۳۱ء) اسلامی تعلیم وتدریس اور علم پروری کے حوالے سے خصوصی شہرت رکھتا ہے۔

اسی طرح سلطان سکندر لودھی کا عہد (۱۴۸۹ء تا ۱۵۱۰ء) اسلامی تعلیم وتدریس کی سرپرستی کے حوالے سے قابلِ ذکر ہے۔ مغلیہ دور کے تمام سلاطین اور مغل امراء کی علم دوستی کے نقوش تاریخ کی کتابوں میں جگمگا رہے ہیں۔ جلال الدین اکبر (م ۱۶۰۵ء) نے اَن پڑھ ہونے کے باوجود نہ صرف متعدد مدرسے قائم کیے، بلکہ کتب خانوں کی بنیاد بھی ڈالی۔

شہنشاہ جہانگیر (م ۱۶۲۸ء) نے دینی مدارس قائم کرنے کے علاوہ انھیں ترقی دینے اور آمدن کے مستقل ذرائع برقرار رکھنے کے لیے یہ فرمان جاری کیا کہ ''اگر کوئی امیر یا بیرونی تاجر لاوارث مرجائے تو اس کا مال ودولت بنام سلطنت منتقل ہو کر مدرسوں پر خرچ کیا جائے۔''

اورنگ زیب عالم گیر (م ۱۷۰۷ء) بذاتِ خود عالم تھا۔ اس نے متعدد مدارس قائم کیے۔ وہ تعلیم وتدریس کے باب میں وسیع نقطۂ نظر رکھتا تھا۔ اس نے مدارس کی خودمختاری میں براہِ راست مداخلت کیے بغیر عصری علوم کے اضافے سے اہم تبدیلیاں کرائیں اور طالب علموں کے لیے وظائف جاری کیے۔ اس عظیم علم دوست حکمران نے لکھنؤ میں ایک ڈچ تاجر کی کوٹھی ''فرنگی محل'' خرید کر ایک مدرسے کی بنیاد رکھی اور ملا نظام الدین سہالویؒ (م ۱۷۴۸ء) کو استاذ مقرر کیا، جنھوں نے ہندوستان میں مروّجہ درس نظامی کی تدوین کی۔ درسِ نظامی کا یہ نصاب مختلف تبدیلیوں کے ساتھ آج بھی رائج ہے، جس میں اسلامی علوم کی بنیادی کتب کے ساتھ اُس دور کے علوم وفنون کی معیاری کتب شامل تھیں۔

ملا نظام الدین سہالویؒ کے مجوزہ نصاب میں صرف، نحو، منطق، حکمت، ریاضی، بلاغت، فقہ، اصولِ فقہ، کلام، تفسیر اور حدیث کے علوم وفنون شامل تھے۔ البتہ اس نصاب میں حدیث کی تعلیم صرف ''مشکوٰۃ المصابیح'' تک تھی۔ ''صحاحِ ستہ'' کو درسِ نظامی کا حصہ بعد میں بنایا گیا۔ اورنگ زیبؒ کے زمانے میں مدارس کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ مشہور انگیز ہملٹن نے لکھا ہے کہ ''صرف ٹھٹھہ شہر میں ۴۰۰ مدارس تھے'' اگرچہ اورنگ زیبؒ کے زمانے سے مغلیہ اقتدار کو زوال شروع ہو چکا تھا تاہم مدارس کے قیام کا سلسلہ آخری مغل حکمران بہادر شاہ ظفر (م ۱۸۶۲ء) کے عہد تک جاری رہا۔

اس زمانے میں جتنے علوم ہندوستان میں مروّج تھے وہ اس نصاب میں شامل تھے۔ کوشش یہ کی جاتی تھی کہ اس

نصاب کا فارغ کسی رائج الوقت علم سے بالکل ناواقف نہ رہے۔ اس زمانے کی سائنس، میڈیکل سائنس، انجینئر نگ، اقلیدس، الجبرا، جیومیٹری اور ریاضی اس نصاب کا حصہ تھے۔ آزاد معاش کا طریقہ اختیار کرنے میں مدد دینے کے لیے طب (میڈیکل سائنس) بھی شاملِ نصاب تھی۔ اسی وجہ سے اس درس کے پڑھے ہوئے بے شمار لوگ طبیب، انجینئر، منتظم اور معمار ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ جس ماہر تعمیرات نے تاج محل تعمیر کیا تھا، یعنی اُستاذ احمد معمار لاہوری (م ۱۶۴۹ء) وہ اسی درسِ نظامی کا پڑھا ہوا تھا۔ معماری کا یہ فن اس نے مدرسے ہی میں بیٹھ کر سیکھا تھا۔ اتنی بڑی سلطنت کا نظام حکومت اور نظامِ عدالت چلانے والے یہی درس پڑھ کر تیار ہوتے تھے۔ گویا کہ یہ درس اُس زمانے میں ایک اَپ ٹو ڈیٹ معاشرے کو چلانے کے لیے ہر لحاظ سے مکمل نظامِ تعلیم تھا (۲)۔

دینی مدارس کا نصابِ تعلیم: دینی مدارس کے موجودہ نصابِ تعلیم کی بنیاد اور اصل الاصول تو ملا نظام الدینؒ کا مجوزہ نصابِ تعلیم ہی ہے، مگر انگریزوں کی آمد اور سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء مطابق ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ کو دیوبند میں ایک مکتب کی بنیاد رکھی گئی، جس نے آگے چل کر ایک جامعہ کی شکل اختیار کی اور اسی کے نظام و نصابِ تعلیم کے تحت برصغیر میں ہزاروں مکاتب و مدارس قائم ہوئے، تو اس مکتب کے بانیان نے فرنگی محلی علماء کے تشکیل کردہ نصاب میں بعض تبدیلیاں کیں۔ فرنگی محلی نصاب میں علومِ اسلامیہ (یعنی قرآن وحدیث اور سنت) پر زور کم اور معقولات پر توجہ زیادہ تھی۔ لیکن جب دارالعلوم دیوبند کے بانیان نے اس مروّج درسِ نظامی کو اختیار کیا تو اس میں صحاحِ ستہ کو بھی شامل کیا اور فقہ، اصولِ فقہ کے نصاب میں بھی وسعت کی۔ اس کے علاوہ عقائد، ادب، علم عروض، فن مناظرہ، طب اور تاریخ کا اضافہ کیا۔ وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحق ملک بھر کے مدارس و جامعات میں وہی ''نصابِ تعلیم'' رائج ہے۔ جس کی تفصیل سہ ماہی ''وفاق المدارس'' شمارہ ۱۴ میں شائع ہو چکی ہے۔

تنقیدی جائزہ: دینی مدارس میں رائج نصاب تعلیم پر گفتگو یا اُسے زیر بحث لانا شجر ممنوعہ نہیں۔ اہلِ مدارس نے اس سلسلہ میں مخلصین کی طرف سے آنے والی آراء اور تنقید کا ہمیشہ خیر مقدم کیا ہے، اسے بہ نظر استحسان دیکھا ہے اور مفید مشوروں اور آراء پر عمل بھی کیا ہے۔ تاہم درسِ نظامی پر ناقدانہ نظر سے پہلے یہ معلوم کر لینا ضروری ہے کہ دینی مدارس اس نصاب کے ذریعے کن اہداف کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہماری تنقید بے جا تنقیص نہ بن جائے۔

اس سلسلہ میں گزارش ہے کہ مدارس دینیہ میں رائج نصابِ تعلیم میں دو باتوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے:

❶ مدارس کے قیام و وجود کا سب سے اہم مقصد معاشرہ میں مسجد و مدرسہ کے ادارہ کو قائم رکھنا اور اسے رجالِ کار فراہم کرتے رہنا ہے۔ اس لیے وہ اپنے نصاب کو اسی دائرہ میں محدود رکھنا چاہتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ عام مسلمان کا تعلق دین کے ساتھ قائم رکھنے کے لیے مسجد اور مدرسہ کے لیے رجالِ کار کی فراہمی از حد ضروری ہے۔ اگر مدارس

سے بھی بکثرت ایسے افراد نکلنے شروع ہوگئے جن کا رُخ مدارس و مساجد کے بجائے اسکولز، کالجز، یونی ورسٹیوں اور حکومتی ملازمتوں کی طرف ہوا تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ مسجد و مدرسہ کا بنیادی ادارہ افراد کی کمی کے باعث تعطل کا شکار ہو جائے۔ ❷ اربابِ مدارس میں سے اکثر کا یہ کہنا ہے کہ وہ ان دینی مدارس کے لیے عشر، زکوٰۃ اور دیگر عطیات علومِ دینیہ کی اشاعت و ترویج کے لیے حاصل کرتے ہیں۔ اُنہیں عصری علوم کی تحصیل پر خرچ کرنا دیانتاً صحیح نہیں۔

مذکورہ بالا دونوں اشکالات ایک حد تک درست ہیں۔ تاہم پہلے اشکال کا جواب یہ ہے کہ ہم طلبہ کی صحیح دینی تربیت اور ان کے دلوں میں تعلیم و اشاعت دین کی اہمیت کو اُجاگر کر کے اس کا تدارک کر سکتے ہیں۔ ویسے بھی طلبہ پر پابندی کی بجائے انہیں آزادی دی جائے۔ وہ فکر و شعور کی روشنی میں یہ فیصلہ کر سکیں کہ ان کے لیے دین کی خدمت اور اصلاح معاشرہ کا فریضہ زیادہ اہم ہے یا کسی قسم کی سرکاری نوکری۔ یہ ایک بے جا قسم کا خوف ہے کہ اگر ان طلباء کو انگریزی میں شدبد ہوگئی تو یہ دین کا راستہ چھوڑ کر دنیا کی منڈی میں غائب ہو جائیں گے۔ زبردستی کسی کو روکا اور باندھا نہیں جا سکتا۔ اس لیے کھلے دل کے ساتھ اس چیلنج کو قبول کرنا چاہیے۔ موجودہ نصاب میں عصری علوم شامل کیے جانے کے باوجود اگر طلبہ ذہنی طور پر پختہ اور باشعور ہوں تو اِن شاء اللہ وہ صرف معاشی مفادات کی خاطر مساجد و مدارس سے بے وفائی نہیں کریں گے۔

دوسرے اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگر مدارسِ دینیہ چندہ دہندگان پر یہ واضح کر دیں کہ موجودہ دور میں اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام عصری علوم حاصل کیے بغیر ممکن نہیں، لہٰذا ان کے عطیات علوم عالیہ اور علوم آلیہ جدیدہ دونوں پر صرف کیے جائیں گے تو اُمید ہے کہ تمام معطی حضرات، اسے بخوشی قبول کر لیں گے۔ اس سلسلہ میں علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ (م ۱۹۳۳ء) کی آخری عمر کی یہ وصیت پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ ''اگر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام صحیح طریقے سے کرنا چاہتے ہو تو اس کے لیے انگریزی سیکھنا ضروری ہے'' (۳)۔

ان معروضات کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں دینی مدارس کے نظامِ تعلیم میں اصلاح اور نصاب میں ترامیم کی تجاویز سے پہلے اربابِ مدارس کے ذہنوں میں موجود خطرات و خدشات کو بھی پوری طرح ملحوظ رکھنا ہوگا اور اسی تناظر میں مدارس کے نظام و نصاب میں اصلاحات، ترامیم اور اضافوں کی بات کرنی ہوگی۔

میری حیثیت اس علمی مجلس میں مدارس دینیہ کے نمائندہ کی ہے۔ تاہم، ہم کھلے دل سے اپنے نصاب تعلیم کو زیر بحث لا کر اصلاح طلب پہلوؤں کی نشاندہی کر رہے ہیں۔ اُمید ہے کہ عصری علوم کی درس گاہوں کے نمائندہ حضرات بھی اپنی درس گاہوں سے فارغ ہونے والے افراد کی علمی اور اخلاقی حالت کا غیر جانب دارانہ جائزہ لیں گے اور یہ بتائیں گے کہ علوم عصریہ کی تحصیل کے بعد اُن کے اندر اخلاص و ایثار، دیانت و امانت، بے نفسی و قربانی، شرافت و پاک دامنی، دین و وطن سے محبت اور خدا اور رسولؐ کے احکامات پر عمل کا جذبہ کس قدر پایا جاتا ہے۔

اگر عصری علوم میں مہارت کے باوجود وہ ان اخلاق فاضلہ سے محروم یا کالمحروم ہیں تو جدید درس گاہوں کے اربابِ بست وکشاد کو بھی اپنی بے بصری و بے عملی کے تدارک کے لیے سوچنا چاہیے۔

بہتری کے لیے تجاویز

(۱) مافی الضمیر کی ادائیگی پر قدرت: دینی مدارس میں موجودہ زمانے کی زندہ زبانوں پر اس درجہ عبور کی طرف توجہ نہیں دی جاتی کہ ایک فارغ التحصیل عالم دین کسی مسئلہ پر اپنا مافی الضمیر انگلش، عربی یا کم از کم اُردو میں شستہ زبان میں قلم بند کرسکے اور زبانی طور پر کسی علمی محفل میں سلیقے کے ساتھ اظہار کرسکے۔ اس لیے دینی مدارس میں ایسا نظام قائم کرنا انتہائی ضروری ہے کہ اُردو، عربی دونوں زبانوں میں تحریری اور تقریری طور پر مافی الضمیر کے اظہار پر فاضلین کو دسترس حاصل ہو اور انگریزی میں بھی کم از کم اس درجہ میں لازم ہے کہ وہ انگریزی میں لکھی ہوئی چیز کو پڑھ کر اور سمجھ کر اس کے بارے میں اظہارِ خیال کرسکیں۔ انگریزی زبان کی اہمیت کو واضح کرتے ہوئے مفکرِ اسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہٗ نے لکھا ہے کہ: ''جدید مغربی تعلیم کے اثر سے دنیا میں جتنی گمراہیاں پھیلی ہیں ان کے سرچشمے انگریزی زبان میں ہیں۔ جب تک ان گمراہیوں کے اصل منابع سے کماحقہٗ واقفیت حاصل نہ ہو ان کی تردید اور ان پر تنقید وتبصرہ پوری طرح مؤثر نہیں ہوسکتا...... مغرب کے مستشرقین نے عربی اور اسلامی علوم پر ''تحقیق'' کے نام سے ایسے زہریلے لٹریچر کا انبار تیار کرایا ہے جس کا مقصد دین کے بنیادی مسلمات کو مشکوک بنانا ہے۔ اس زہر کا تریاق فراہم کرنا علماء کی ذمہ داری ہے اور اس کے لیے انگریزی زبان اور ان عصری علوم کی تحصیل لازمی ہے۔ اس وقت مسلمانوں کی بڑی تعداد یورپ، امریکہ، افریقہ، آسٹریلیا اور مشرق بعید میں آباد ہے۔ ان لوگوں کو خاص طور پر نئی نسلوں کو اسلام پہنچانے کا کوئی راستہ انگریزی زبان کے بغیر ممکن نہیں (۴)۔

(۲) تاریخ سے واقفیت: درسِ نظامی کے مروّجہ نصاب میں تاریخ بالخصوص تاریخ اسلام کے بارے میں قابلِ ذکر مواد کی کمی پائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے ایک فارغ التحصیل عالمِ دین تاریخی تسلسل اور اہم واقعات کی ترتیب تک سے بےخبر رہ جاتا ہے۔ اس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔ عام طور پر اسلامی تاریخ کا نصاب خلافت راشدہ سے شروع ہوکر خلافتِ عباسیہ پر ختم ہوجاتا ہے۔ حالانکہ مسلم تاریخ کے حسبِ ذیل ادوار اپنی اہمیت کے اعتبار سے نہایت ضروری ہیں: خلافت عثمانیہ، اندلس میں مسلمان، وسطی ایشیا میں مسلم ریاستیں، مشرقی یورپ میں مسلم تاریخ، جنوب مشرقی ایشیا میں مسلم اقتدار، مشرق بعید میں اسلام کا پھیلاؤ، افریقی ممالک میں اسلام کی ترویج، انیسویں اور بیسویں صدی میں مسلم دنیا کی شکست وریخت اور اس سے پیدا شدہ عبرت آموز اسباق۔ تجدید واحیائے دین کی تحریکات، موجودہ مسلم دنیا کا نقشہ، جغرافیہ، معدنی وقدرتی وسائل اور مسائل پر معلومات اور فہم۔

(۳) مقارنۃ الادیان: دوسرے ادیان و مذاہب اور فلسفہ ہائے حیات پر ایک عالمِ دین کی گہری نظر ہونی چاہیے۔ باطل فرقوں کے عقائد اور دلائل سے باخبر ہونا بھی ضروری ہے۔ موجودہ عالمی تناظر میں اسلام کی صحیح ترجمانی کے لیے اس کی ضرورت واہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔

(۴) جدید علوم: دینی مدارس میں مختلف علوم وفنون پر پڑھائی جانے والی کتابیں انتہائی مفید اور ضروری ہیں۔ مگر ان کے ساتھ علوم وفنون میں جو نئے نئے شعبے اور ابواب دریافت ہوئے ہیں علماء کرام کا اُن سے باخبر ہونا ضروری ہے۔ بقول مولانا ابوالکلام آزادؒ ''میرا دل زخمی ہے۔ اب دنیا کہاں سے کہاں تک آ گئی۔ اپنے مدرسوں میں جن چیزوں کو ہم معقولات کے نام پر پڑھا رہے ہیں وہ وہی چیزیں ہیں جن سے دنیا کا دماغی کاررواں دو سو برس پہلے گزر چکا ہے۔ آج اُن کی دنیا میں کوئی جگہ نہیں'' (۵)۔

(۵) اختلاف میں اعتدال: مدارس میں بالعموم نظری، فقہی اور فروعی مسائل میں بحث مباحثہ اس قدر شدت اختیار کر جاتا ہے کہ بسا اوقات اولیٰ اور غیر اولیٰ، جزوی اختلاف سے بھی کفر و اسلام کی معرکہ آرائی کا تاثر اُبھرنے لگتا ہے۔ یہ صورتِ حال توجہ طلب ہے۔ اربابِ مدارس طلبہ کو اختلاف اور مخالفت کی حدود بتانے کے علاوہ عمل کی طرف بھی متوجہ کریں۔

احقر نے جن اُمور کی نشان دہی کی ہے، خوش آئند اَمر یہ ہے کہ ان کی اصلاح کے لیے پیش رفت شروع ہو چکی ہے۔ میٹرک تک انگریزی اور عصری مضامین کو شاملِ نصاب کر دیا گیا ہے۔ اُمید ہے کہ یہ سلسلہ آگے بھی چلے گا۔ اسی طرح جدید علوم مقارنۃ الادیان، تاریخ، بالخصوص اسلام کی جانب بھی توجہ دی جا رہی ہے اور متعدد نئی کتابیں شاملِ نصاب کی گئی ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر ان دو چار باتوں کی اصلاح کر لی جائے تو مدارسِ دینیہ کا نظام و نصابِ تعلیم ایک مثالی نظام کہلائے گا، جو دین اور دنیا کی تمام ضروریات کے لیے جامع ہوگا۔

واخر دعوانا ان الحمدللّٰہ رب العلمین

حوالہ جات

(۱) ہندوستان کی درس گاہیں۔ از: ڈاکٹر قمر الدین، ص ۱۳۳ (۲) اکیسویں صدی...... پاکستان کے تعلیمی تقاضے۔ مصنف: ڈاکٹر محمود احمد غازی۔ ص ۱۰۸ (۳) بحوالہ دینی مدارس میں تعلیم۔ مؤلفہ: سلیم منصور خالد۔ ص ۲۱۰ (۴) ہمارا تعلیمی نظام۔ ص ۱۰۰ (۵) بحوالہ ماہنامہ ''الشریعۃ'' اپریل ۲۰۰۱ء۔